© rasailojaraid.com

حکمت مودودیؒ

قیام پاکستان کا پس منظر

۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۹ء تک ایک صحافی کی حیثیت سے میں ہندستان کے سیاسی حالات اور ان میں مسلمانوں کی حیثیت کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اس مطالعے نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ ہندستان کے تمام باشندوں کو ایک قوم فرض کر کے یہاں برطانوی حکومت کے زیر اثر جو جمہوری نظام بنایا جا رہا ہے‘ اس میں مسلمانوں کے لیے کسی حیثیت سے بھی کوئی خیر نہیں ہے اور اس نظام میں ان کو خواہ کیسے ہی آئینی تحفظات دے دیے جائیں‘ غیر مسلم اکثریت کا غلبہ ان کے لیے درحقیقت کسی تحفظ کو بھی مفید اور موثر نہ رہنے دے گا۔ میں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ کچھ آئینی تحفظات حاصل کر کے انگریزی حکومت کے بل بوتے پر جینا سراسر نادانی ہے کیوں کہ انگریزوں کو ہمیشہ یہاں نہیں رہنا ہے‘ ملک آخرکار آزاد ہو کر رہے گا اور آزاد ہندستان میں غیر مسلم اکثریت کی حکمرانی مسلمانوں کے دین‘ اخلاق‘ تہذیب‘ تمدن‘ معاشرت اور معیشت سب کو تباہ کر کے رکھ دے گی‘ یہاں تک کہ ان کا الگ امتیازی وجود تحلیل ہو کر رہ جائے گا۔

اس زمانے میں‘ اور اس کے بعد چند سال تک اسلام کا جو مطالعہ میں نے کیا‘ اس کی مدد سے میں یہ جاننے کی کوشش کرتا رہا کہ مسلمانوں کے اس حالت کو پہنچنے کی وجہ کیا ہے اور اس گرداب سے وہ کس طرح نکل سکتے ہیں؟ اس مسئلے پر میں نے جتنا بھی غور کیا اتنا ہی مجھے یقین حاصل ہوتا چلا گیا کہ ہندستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں مسلمان جس زوال و انحطاط اور مغلوبی و محکومی کے شکار ہیں‘ اس کی واحد وجہ ان کا اپنے اس مشن کو بھول جانا ہے جو کتاب اللہ کی حامل اور رسول اکرمؐ کی پیرو امت ہونے کی حیثیت سے ان کے سپرد کیا گیا تھا‘ اور اب اس حالت سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ پھر سے اس مشن کے علم بردار بنیں۔ مگر اصل سوال عمل کا تھا کہ یہ کام ہو تو کیسے؟

میں دیکھ رہا تھا کہ عام مسلمان دین کے عاشق تو ضرور ہیں مگر اس کو جانتے اور سمجھتے نہیں ہیں۔ تعلیم یافتہ اور بااثر طبقے صرف دین سے ناواقف ہی نہیں وقت کی غالب تہذیب کے افکار و نظریات اور طریقوں سے بری طرح متاثر بھی ہیں اور مذہبی لوگوں میں دین کا تصور بس نماز‘ روزے اور چند مذہبی رسوم تک محدود ہے۔ اس حالت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ سارے مسلمان اس مشن کو سمجھ بھی لیں اور اس کے علم بردار بھی بن کر اٹھ کھڑے ہوں۔ عملاً اگر کچھ ممکن تھا تو یہ کہ اسلام کو بحیثیت ایک جامع اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمہ گیر نظام زندگی کے پیش کیا جائے۔ اس کے ایک ایک پہلو کو معقول طریقے سے واضح کیا جائے' دماغوں کی ان تمام الجھنوں کو صاف کیا جائے جو غیر اسلامی علوم و افکار اور تہذیب و تمدن کے غلبے سے پیدا ہو گئی ہیں۔ اسلامی نظام کے برحق اور غیر اسلامی نظاموں کے باطل ہونے کو بہ دلائل ثابت کیا جائے اور باطل کو مٹا کر حق کو عملاً قائم کرنے کی سعی و جہد کا جذبہ دلوں میں ابھارا جائے۔ یہی کام تھا جسے میں نے ۱۹۳۳ء میں شروع کیا جب رسالہ ترجمان القرآن کی ادارت میرے ہاتھ میں آئی۔ میرے پیش نظر یہ تھا کہ جب پڑھے لکھے لوگوں کی ایک تعداد ان خیالات کو قبول کر کے اس نصب العین کے لیا کام کرنے پر آمادہ ہو جائے تو انھیں منظم کر کے اور ان کی اخلاقی و ذہنی تربیت کر کے اسلام کو بحیثیت نظام زندگی قائم کرنے کی باقاعدہ تحریک کا آغاز کر دیا جائے۔

یہ کام ابھی جاری تھا کہ ۱۹۳۷ء میں وہ تمام خطرات سامنے آ گئے جن کے وقوع میں آنے کا اندیشہ تھا۔ برعظیم ہند کے تمام لوگوں کو ایک قوم فرض کر کے غیر مسلم اکثریت کو حکمران بنانے کا عمل شروع ہوتے ہی اس کے فطری اور منطقی نتائج اندیشوں سے گزر کر حقیقت کی صورت میں نمودار ہونے لگے۔ مسلمانوں کے جداگانہ قومی وجود اور ان کی اپنی مستقل تہذیب کی نفی کی جانے لگی۔ غیر مسلم اکثریت نے ان پر اپنی زبان' تہذیب اور رسوم کو مسلط کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں سے اجتماعی طور پر کوئی معاملہ کرنے کے بجائے ان کے افراد کو براہ راست مخاطب کر کے ہندستانی قومیت میں جذب کرنے کی کوشش بڑے پیمانے پر کی جانے لگی جس میں بدقسمتی سے علما کا ایک گروہ بھی شریک ہوگیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ اقامت دین کی تحریک کے لیے جس قوم سے اولین کارکن بہم پہنچنے کی امید کی جاسکتی تھی اسی کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ اس لیے میں نے اپنی اصل دعوت کا کام پہلے سے زیادہ تیز کر دینے کے ساتھ ساتھ وطنی قومیت میں مسلمانوں کے جذب ہونے کو روکنے کی کوشش بھی شروع کر دی۔ اسی مقصد کے لیے میں نے مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا پہلا حصہ ۱۹۳۷ء اور دوسرا ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ پھر مسئلہ قومیت کے نام سے ایک اور کتاب لکھی جو پہلے ۱۹۳۹ء میں اور پھر کچھ مزید اضافوں کے ساتھ جنوری ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اب یہ تینوں کتابیں تحریک آزادی ہند اور مسلمان' حصہ اول کے نام سے ایک ہی جلد میں جمع کر دی گئی ہیں۔ ان تینوں کتابوں میں یہ حقیقت دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کی گئی تھی کہ مسلمان کسی وطنی قومیت کا حصہ نہیں ہیں بلکہ وہ ایک الگ قوم ہیں' جس کا عقیدہ و ایمان' جس کے افکار و نظریات' جس کے اصول اخلاق و تہذیب اور جس کے نظام زندگی میں سے کوئی چیز بھی ان عناصر کے ساتھ میل نہیں رکھتی جو ہندستان میں آباد ہیں۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ "وطنی قومیت" کے جھوٹے' بے اصل اور پُرفریب نام سے غیر مسلم اکثریت کی جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام نہاد جمہوری حکومت قائم ہو گی وہ ان کے لیے کس قدر تباہ کن ہو گی۔

یہی وہ زمانہ تھا جس میں مسلم لیگ کانگریس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک زبردست عوامی قوت کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ابھری۔ وطنی قومیت کا طلسم ٹوٹ گیا' مسلمان اس کے فتنے سے بچ گئے اور ان کے اندر یہ جذبہ شدت کے ساتھ پیدا ہو گیا کہ ہندستان میں ان کی قومیت کے امتیازی وجود کو ایک آزاد اور مستقل حیثیت حاصل ہونی چاہیے' لیکن یہ طے ہونا ابھی باقی تھا کہ اس کی عملی شکل کیا ہو۔ مختلف لوگ اس کے بارے میں مختلف تجویزیں پیش کر رہے تھے جن میں تین متبادل تجویزیں میری بھی تھیں جو میں نے ۱۹۳۸ء میں پیش کیں۔ ایک پُرجوش تحریک آگے بڑھ رہی تھی اور مسلمانوں کا قومی مقصد بتدریج ایک شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں وہ تقسیم ہند کی تجویز پر مرتکز ہو گیا۔ ابتداً اس تجویز میں "پاکستان" کا نام شامل نہ تھا۔ مگر یہ نام پہلے ہی سے عوام میں مقبول ہو رہا تھا۔ اس لیے آپ سے آپ زیر تجویز ملک پر یہی نام چسپاں ہو گیا اور اس طرح یہ تحریک "تحریک پاکستان" بن گئی۔

اس تحریک کے آغاز ہی سے عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی تمناؤں کا مرکز "پاکستان" ایک اسلامی مملکت ہو گا جس میں اسلام کا قانون جاری ہو گا اور اسلامی تہذیب زندہ کی جائے گی۔ اسی لیے ان کا نعرہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ۔ مسلم لیگ کے لیڈر بھی اپنی تقریروں میں یہی خیال ظاہر کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر خود قائداعظم مرحوم و مغفور نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا دستور قرآن ہو گا۔

اس مرحلے پر یہ بتانا میں نے اپنا فرض سمجھا کہ ایک اسلامی ریاست کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ اس کو بنانے اور چلانے کے لیے کس قسم کے رہنما اور کارکن درکار ہوتے ہیں؟ اس کو قائم کرنے کی تحریک کس طرح برپا ہوتی ہے اور اس کے لیے کام کرنے والی جماعت کے اوصاف کیا ہوتے ہیں؟ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک میں مسلسل اس موضوع پر مضامین لکھتا رہا' جن کا مجموعہ **مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش'** حصہ سوم کے نام سے اسی زمانے میں شائع ہو گیا تھا اور اب وہ **تحریک آزادی ہند اور مسلمان'** حصہ دوم کے نام سے ازسرنو شائع کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ میں یہ سمجھتا تھا کہ ان مضامین اور کتاب سے اس تحریک کا رخ نہ بدل سکے گا' جو پوری قوت سے ملک کے گوشے گوشے میں چل رہی تھی' لیکن چونکہ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس طرز کی تحریک کے نتیجے میں قومی ریاست تو بن سکتی ہے اسلامی ریاست نہیں بن سکتی' اس لیے میں نے بروقت اپنی بے لاگ رائے پیش کر دینا اپنا فرض سمجھا' قطع نظر اس سے کہ میری رائے کسی کو پسند آئے یا نہ آئے (**تحریک پاکستان اور جماعت اسلامی**' ص ۳-۷)۔

© rasailojaraid.com